۸۸واں باب

دل شکستہ نہ ہو اور بڑھے چلو

۸۸: سُوْرَۃُ الْحِجْر[۱۵ –۱۳: وَمَا أُبَرِّئُ، ۱۴: رُبَمَا]

۱۱۲	دل شکستہ نہ ہو اور بڑھے چلو
۱۱۳	مستقبل قریب میں منکرین کی حسرت و یاس کا منظر
۱۱۴	منکرین کے تمسخر اُڑانے اور فرشتے دکھانے کے مطالبے کا جواب
۱۱۵	منکرین نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے
۱۱۶	باد و باراں کا نظام خالق کی اُلوہیت اور قیامت کے وقوع پر دلیل ہے
۱۱۸	انسان کی تخلیق کا واقعہ، مرحلہ بہ مرحلہ
۱۲۲	سُوْرَۃُ الْحِجْر میں تخلیقِ آدم کا واقعہ
۱۲۲	شیطان کا انسانوں کو صراطِ مستقیم سے اغوا کرنے کا اعلان
۱۲۳	اغوائے شیطانی سے بچ جانے والوں کے لیے انعام و اکرام
۱۲۳	ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ
۱۲۴	نبی کی بیوی بھی سرکشی کے سبب عذاب سے نہ بچ سکے گی
۱۲۵	جاہلی تہذیب کو بے حیائی اور بدکاری کی کھلی اجازت درکار ہے
۱۲۵	مشرک اور بدکار قوم کو ہلاک کر دیا گیا
۱۲۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عنایات: آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ
۱۲۹	اہلِ دنیا کے ٹھاٹ باٹ کو پرِ کاہ کی حیثیت نہ دو
۱۳۶	موت آنے تک عبادت اور یادِ الٰہی میں مصروفیت کا حکم

۸۸واں باب

دل شکستہ نہ ہو اور بڑھے چلو

۸۸: سُوْرَۃُ الْحِجْر [۱۵ — ۱۳: وَمَا أُبَرِّئُ، ۱۴: رُبَمَا]

[نزولی اعتبار سے ۸۸ویں، مصحف میں ۱۵ویں نمبر پر، ۱۳ویں اور ۱۴ویں پاروں وَمَا أُبَرِّئُ اور رُبَمَا میں درج سُوْرَۃُ الْحِجْر]

حالات وہی ہیں جو گزشتہ سورت، سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْم کے نزول کے وقت تھے، پچھلے خطبے میں جلالی رنگ زیادہ نمایاں تھا، یہاں تفہیم کا پہلو نمایاں ہے، دعوتِ اسلامی میں یہ دونوں چیزیں قرآنی انداز میں سوز و گداز کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ عصر حاضر میں عقل کی بالادستی سے اتنی مرعوبیت ہے کہ دعوتِ دین بھی دنیاوی نفع و نقصان کے عقلی پیمانوں پر دی جاتی ہے، آفاق و انفس کے دلائل اور دنیا میں اللہ کے عذاب اور آخرت میں آتش دوزخ کی بات کم ہی زبانوں پر آتی ہے۔ سُوْرَۃُ الْحِجْر اپنی ماسبق ہی کے مماثل ہے اور دعوتِ دین کا کام کرنے والے اُن لوگوں کے لیے ایک عمدہ گائیڈ بھی ہے، جو محمد ﷺ کے طریقے پر تلاوتِ آیات کے ذریعے اپنے مشن کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں۔

پچھلے خطبے میں ہم نے دیکھا تھا کہ گیارہ سالہ مدت میں نبی ﷺ کی قیادت و تربیت میں تیار ہونے والی ٹیم کو پہلی مرتبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ایک گروہ کی حیثیت سے پکار کر احکامات دیے تھے [۳۴]، کاروانِ نبوت ﷺ کے سفر میں یہ ایک اہم موڑ تھا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ٹیم تیار ہو گئی ہے۔ روئے زمین پر روزِ ازل سے تا ایں دم کلمۃ اللہ کے غلبے کے لیے تیار ہونے والی یہ بہترین انسانوں کی ٹیم تھی، اس کی تیاری کا کام براہِ راست خالق و مالکِ کائنات نے اپنی نگرانی میں اپنے منتخب بندے اور رسول سے لیا تھا۔ اگرچہ دور دور اس ٹیم کی کامیابی کے آثار ہویدا نہیں تھے، حالات کی سنگینی یہ تھی کہ خود نبی ﷺ کے لیے اُس شہر میں آزادی سے اپنے حق کی بنا پر رہنا ممکن نہیں رہا تھا، جہاں آپؐ اور آپؐ کے آباو اجداد پیدا ہوئے اور رہتے چلے آ رہے تھے، نوبت یہ تھی کہ آپ ﷺ طائف سے واپس کے بعد مطعم بن عدی کا جوار [پناہ] حاصل کر کے مکہ میں قیام پذیر تھے۔

۳۴ قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ (سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْم - ۳۱، دیکھیے صفحہ ۸۳)

مستقبل قریب میں منکرین کی حسرت و یاس کا منظر

اب جو اللہ رب العالمین کی جانب سے ارسال کردہ خطبہ جبریلِ امین آپؐ پر نازل فرمارہے ہیں اُس میں نبیؐ اور اُس کے متبعینؓ سے اوپر بیان کردہ ناقابل برداشت حالات میں متکبر سردارانِ مشرکین کے لیے کہا جارہا ہے کہ: چھوڑو انھیں اِن کے حال پر، کچھ چرچُگ لیں، مزے کرلیں، اور جھوٹی آرزؤوں میں مگن رہ لیں، عن قریب انھیں حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ پچھلی سورۃ میں مبارک قافلے کو جس ایک نئے موڑ کے کٹنے کی آہٹ ملی تھی، اب واضح الفاظ میں مقابلے میں کھڑے فریق کے شکست کھاکر ہلاک ہونے کی نوید بھی مل گئی! افسوس، وہ پاگل دیوانے، سردارانِ مکہ اِسے ایک مجنوں اور سحر زدہ کی بڑہی سمجھتے رہے۔ آیئے سورۃ کے مضامین پر غور کرتے ہیں:

الر، یہ کتابِ الٰہی کی آیات ہیں جو کہ قرآنِ مبین ہے۔ چہ عجب، کہ جلد ہی وہ وقت آجائے جب آج کے منکرین و مخالفین حسرت سے کہیں کہ کاش ہم رسول کی دعوت پر مسلم بن جاتے۔ چھوڑو انھیں اِن کے حال پر، کچھ چرچُگ لیں، مزے کرلیں، اور جھوٹی آرزؤوں میں مگن رہ لیں، عن قریب انھیں حقیقت معلوم ہو جائے گی [۳۵]۔ یہ نادانی میں عذاب کی جلدی مچارہے ہیں!! جب کہ ہماری سنت یہ ہے کہ جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے اسے سمجھنے، سنبھلنے اور پلٹنے کے لیے ایک مقرر مہلت ضرور دی ہے۔ کوئی اُمت [قوم، بستی، گروہ، معاشرہ] نہ اپنے وقتِ مقرر سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے، نہ ہی وقت آنے پر چھوٹ سکتی ہے [۳۶]۔ .... مفہوم آیات ۱تا۵

---

۳۵ یہ آیہ مبارکہ نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں اظہارِ دین [غلبۂ دین] کے لیے جو کش مکش جاری تھی اُس کی کیسی واضح آئینہ دار ہے۔ کہا جارہا ہے کہ نہ منکرین کے ایمان نہ لانے پر آزردہ ہو اور نہ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہو، جلد ہی انھیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ سردارانِ مکہ صریح غلطی پر تھے۔ یوں یہ بیان اپنے نازل ہونے کے دوران مصروفِ جدوجہد اہلِ ایمان گروہ کی رہ نُمائی تھا، آج یہ اُس دور کی تاریخ کا حصہ ہے دوسری جانب قیامت تک کے لیے اہلِ ایمان کو اپنی مقابل مخالف طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کا سلیقہ سکھاتا اور حوصلہ بھی عطا کرتا ہے۔

۳۶ جب بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا نعرہ بلند ہوتا ہے تو اہلِ ایمان اور داعیانِ دین، لوگوں کو اللہ کے غضب اور عذاب سے ڈراتے ہیں اور اُنھیں لازماً ڈرانا چاہیے، کیوں کہ محض معاشی، صنعتی، زراعتی، سیاسی اور معاشرتی ترقی و اصلاح کے لیے تو سیاسی جماعتیں کافی ہوتی ہیں جو وحی کی ہدایت سے بے نیاز اپنی عقل و فہم سے قوم کی رہ نمائی کرتی ہیں۔ کتاب اُللہ کو لے کر اُٹھنے والی تحریک لازماً اپنے مخاطبین کو انذار کرتی ہے، یہ نبیوں کا اور مصلحین کا بنیادی فریضہ ہے، نبی بشیر و نذیر ہوتا ہے۔ جب بھی اللہ کے عذاب سے داعیان نے اپنے مخاطبین کو ڈرایا تو کچھ عرصے یہ دھمکیاں

منکرین کے تمسخر اُڑانے اور فرشتے دکھانے کے مطالبے کا جواب

نبی کریم ﷺ کے صبر و تحمل کو آزمانے کے لیے متکبر و مقتدر سرداروں نے آپؐ کی ذات کے ساتھ قرآن کو بھی نشانے پر رکھا ہوا تھا۔ زندگی بعد موت، دوزخ، فرشتے حساب کتاب، الغرض نازل ہونے والی ہر چیز کا مذاق اڑایا جاتا، نوجوانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لیے قرآن کے مقابلے میں ایران و توران کی داستانیں اور موسیقی پیش کی جاتی[۳۷]۔ یہ بات ظاہر ہے نبی ﷺ کے لیے بڑی گراں تھی۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کو یقین دلایا جارہا ہے کہ اِس کو تو ہم نے بھیجا ہے اور ہم ہی اِس کے محافظ ہیں۔ قرآن کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہی ہے کہ آج تک یہ اپنی اصلی شکل میں ساری دنیا کے انسانوں کے سامنے اور اپنے صحیح مفاہیم کے ساتھ اللہ کے مخلص بندوں کے درمیان موجود ہے اور جس کا ہر دور میں مستشرقین اور سنت سے بے زار شیطان کے بندوں کی ساری نام نہاد فکری تحقیق کا مشق ستم بننے کے باوجود کچھ نہیں بگڑتا۔

اے محمدؐ، منکرین تمھیں یوں پکارتے ہیں ارے صاحب! کیا کہا، تم پر کچھ ہمارے لیے یاددہانی اور نصیحت اُتری ہے!........ تم تو یقیناً دیوانے[۳۸] ہو، اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں

سننے کے بعد اُن کی جانب سے پیہم یہ مطالبہ سامنے آتا ہے کہ جو دھمکی دیتے ہو اُسے پورا کر دکھاؤ۔ اِس صورتِ حال میں یہ مطالبہ کرنے والوں کو جواب بھی ہے اور اہلِ ایمان کو تسلی بھی کہ مطالبوں سے عذاب نہیں آتے، ہر قوم اور گروہ کے لیے ایک وقت مقرر ہے، منکرین، عقل کے ناخن لیں اور حق کو حاصل مہلت میں قبول کرلیں اور اہلِ ایمان جان لیں کہ اُن کا کام صرف دعوت دینا اور قبول کرنے والوں کو جنتوں کی بشارت دینا ہے اور نہ قبول کرنے والوں کو عذاب سے ڈرانا ہے، باقی سب کام اللہ کے ہیں۔

۳۷ نبی ﷺ کے زمانے میں تو آپؐ کے دشمن یہ دھندا کرتے تھے، مگر آج تمام مسلم ممالک کے ٹی وی اور نشریاتی ادارے یہی کام بلا روک ٹوک کر رہے ہیں۔ اور اسی رنگ و حسن و موسیقی کے ماحول میں قرآن کی قرأت بھی اور قرآن کے افکار پر بھی طبع آزمائی ہوتی رہتی ہے۔

۳۸ نبیوں کو ہمیشہ جھوٹا، جادوگر اور پاگل دیوانہ کہا گیا ہے، یہ ایک ٹیپ کا بند ہے جو ہمیشہ چلا ہے۔ یہی باجا نبی ﷺ کے سامنے بھی بجایا گیا، رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اُس نے اپنے فرشتے روح الامین کے ذریعے مجھ پر وحی نازل کی ہے، کفار و مشرکین جواب میں ٹھٹھے لگاتے، مذاق اُڑاتے اور کہتے کہ تمھارے علاوہ اللہ کو اس کام کے لیے کوئی اور نہ ملا، تمھارے پاس نہ مال و دولت ہے نہ سرداری، کچھ بھی تو نہیں ہے، تم تو نرے دیوانے ہو، کیا دیکھ کر اللہ نے تم کو نبی بنایا ہے۔ چلیں اگر مان لیں کہ فرشتہ آتا ہے تو کبھی ہمارے روبرو بھی اُس کو پیش کرو! پاگل اور دیوانگی کی تہمت ایسی تھی کہ اس کے جواب کی ضرورت ہی نہ تھی، یہ ایک ایسی بات تھی،

نہیں لے آتے؟ منکرین جان لیں کہ ہم فرشتوں کو یوں ہی نہیں اُتارتے۔ وہ جب منکرین پر اُترتے ہیں تو عذاب کے فیصلے کے ساتھ آتے ہیں اور پھر قبولیت اور توبہ کی مہلت نہیں ملتی۔ رہا یہ ذکر، جس کا تم تمسخر اُڑاتے ہو کان کھول کے سن لو، اِس کو تو ہم نے بھیجا ہے اور ہم ہی اِس کے محافظ ہیں۔ ....

.... مفہوم آیات ۶تا۹

منکرین نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے

منکرین کی جانب سے پیہم کچھ معجزات دکھانے کا مطالبہ جاری تھا، اہلِ ایمان کو خواہش ہوتی کہ اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسا کوئی معجزہ سامنے آجائے تو شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں۔ اپنی قوم کے ایمان لانے کے اِن حریص مخلص بندوں کو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ منکرین نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیتے جس میں وہ چڑھنے بھی لگتے، تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھیں مسحور کر دی گئی ہیں۔

ربُّ العالمین جس نے انسان کو ڈیزائن کیا اور بنایا، اُس سے زیادہ کون اُس کی نفسیات سے واقف ہو سکتا ہے، وہ فرماتا ہے کہ زمان و مکاں کی قید سے ماورا ہر دور میں ہر جگہ توحید کی دعوت مجرمین کو انتہائی ناگوار ہوتی ہے۔ ایک قادر مطلق ہستی کو خالق اور مالک تسلیم کرنے کے بعد اُس کا تعارف کرانے والے رسول کو بھی ماننا اور اپنا لائقِ تعظیم و اطاعت لیڈر تسلیم کرنا پڑتا ہے اور زندگی کے تمام دائروں میں اُس کی بتائی ہوئی اُن ساری پابندیوں کو قبول کرنا پڑتا ہے جہاں وہ بے قید نفس کی بندگی کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت [افضل الذکر لا الہ الا اللہُ] اور اُس کی بڑائی کا نعرہ [اللہُ اکبر] اللہ کو جتنا پسندیدہ ہے، مجرمین کو وہ اُتنا ہی ناگوار ہے۔ اللہ کے لیے نعرہ تکبیر کی پسندیدگی کا عالم یہ ہے کہ عبادات میں اُس کی تکرار ہے، اُٹھتے بیٹھتے، اللہُ اکبر، اللہُ اکبر یہ تکرار، اگر دل کی گہرائیوں سے کی جائے تو دل میں چھپے سارے بت ٹوٹ جاتے ہیں اور اگر اُس کی بڑائی کا ادراک نہ ہو تو وہ چھپے رہتے ہیں، توحیدِ خالص اور اُس کی بڑائی کا تذکرہ مشرکین کے قلوب کو نشتر کی مانند چھیدتا ہے۔

جس کے غلط ہونے کا اُنھیں خود بھی یقین رہا ہو گا۔ البتہ فرشتوں کے بارے میں کہا گیا کہ فرشتے تو اُس وقت اُترتے ہیں جب غیب شہود ہو جاتا ہے اور وہ تو منکرین کے لیے عذاب کی وعید لے کر اُترتے ہیں، تمھاری طبیعت و عقل تو ٹھکانے ہے؟ چاہتے کیا ہو؟

اے محمدؐ، ہم نے تم سے پہلے بھی گزری ہوئی اقوام میں رسُول بھیجے، مگر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُن کے پاس کوئی رسُول آیا ہو اور انھوں نے اُس کا مذاق نہ اُڑایا ہو۔ مجرمین کے دلوں میں تو ہم دعوتِ توحید کو نشتر کی مانند گزارتے ہیں[39]، وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔اِن کے باپ دادا کا بھی یہی روّیہ رہا ہے۔[نشانیاں دکھانے کے لیے] اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیتے جس میں وہ چڑھنے بھی لگتے تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھیں مدہوش کر دی گئی ہیں، بلکہ ہم تو سحر زدہ لوگ ہیں۔

مفہوم آیات ۱۰ تا ۱۵..

آسمانوں کا اور بادوباراں کا نظام خالق کی اُلوہیت اور قیامت کے وقوع پر دلیل ہے

کفار کے جلد مغلوب ہو جانے کی نوید کے بعد اُن کے تمسخر اور پھر فضول مطالبات اور باتوں سے تعرض کرنے کے بعد پھر اُنھیں اور سارے انسانوں کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ کس خوبی اور صنّاعی کے کمال سے یہ کائنات بنائی گئی ہے جو ایک خالق کی موجودگی اور اُس کی بڑائی کی شہادت دیتی ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے آسمان میں روشن ستاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔

آسمان کے تذکرے کے بعد وہ زمین کے پھیلاؤ اور عظیم پہاڑوں کے کھونٹوں کا تذکرہ کرتا ہے، کیا کسی انسان یا اُس کے خود ساختہ خداؤں میں اتنی طاقت اور دَم ہے کہ وہ اِن پہاڑوں کو پیدا کر سکیں۔ پھر نباتات کا اور خاص طور پر لاکھوں، کروڑوں بلکہ لاتعداد طرح طرح کی نباتات کی جانب نظر کرنے کی دعوت ہے، کیا اللہ کے علاوہ کسی میں اُن کو پیدا کرنا تو کجا، اِس دنیا میں اُن کی ضرورت کا اندازہ لگانے کی بھی طاقت و قدرت ہے؟ پھر وہ کہتا ہے کہ ہم نے سارے انسانوں کے لیے معیشت کے ذرائع پیدا کیے، جو گزر گئے، جو موجود ہیں اور جو آئیں گے۔ کیا کسی میں اس کا اندازہ لگانے کی بھی سکت ہے؟ پھر وہ یاد دلاتا ہے کہ رزق کی مسلسل فراہمی کی مقدار کا اندازہ تمھارے لیے اور اُس لاتعداد مخلوق کے لیے جس کا تمھیں ادراک بھی نہیں، کون کرتا ہے؟ اور اس اندازے کے بعد کون فراہم کرتا ہے؟ وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں کی ایسی تعظیم و عبادت کرنے والوں سے جیسی کہ ایک اللہ کی

---

۳۹ توحیدِ خالص اور اُس کی بڑائی کا تذکرہ مشرکین کے قلوب کو نشتر کی مانند چھیدتا ہے، یہ نبیوں کے نقشِ قدم پر اعلانِ توحید اور شرک سے بے زاری کے اظہار کے تجربے سے جاننے اور ادراک حاصل کرنے کی چیز ہے، محض کتابیں پڑھنے اور تقریریں سننے سے یہ آیات دل میں نہیں اترتیں!

کرنی چاہیے، یہ سوال کرتا ہے کہ ایک اللہ کو چھوڑ کر کون ہے جو ساری کائنات کے ایک ایک کیڑے سے لے کر حقیر سے حقیر تر اور بڑی سے بڑی مخلوق کے لیے ایک مقررہ مقدار میں رزق فراہم کرتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ کام تم کر نہیں کر سکتے۔ وہ پانی کے عظیم ذخیروں کی طرف توجہ دلاتا ہے جو سمندروں میں ہیں اور اُن سے کہیں زیادہ بادلوں میں ہیں اور زیرِ زمین بھی ہیں، وہ پوچھتا ہے کہ اس آبی خزانے کے تم خزانے دار ہو؟ تم نے بنائے ہیں، تم نے کائنات میں اِن کی یہاں وہاں اور نہ جانے کہاں کہاں اور کتنی کتنی مقدار کی موجودگی کا تعین کیا ہے، تم اِن کے برسنے اور نہ برسنے کا فیصلہ کرتے ہو؟ کیا یہ ساری چیزیں ایک عظیم خالق و مالک کا پتا نہیں دیتیں، تم اُس کو بھُلا کر کہاں جا رہے ہو۔

یہ ہماری شانِ کاریگری ہے کہ آسمان میں ہم نے قلعے بنائے، دیکھنے والوں کے لطفِ نظّارہ کے لیے اُنھیں خوب سجایا، اور ہر شیطانِ مردُود کی شورشوں سے اُن کو محفوظ کر دیا[40]۔ مگر یہ کہ کچھ سُن گُن لینے کی کوشش ہوتی ہے تو ایک روشن آتشیں شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔ .... مفہوم آیات ۱۶ تا ۱۸

ہم نے زمین کو پھیلا کر بچھایا، اُس میں پہاڑوں کے کھونٹے ٹھونک دیے، پھر اُس میں نوع بہ نوع مفید نباتات ضروریات کے تناسب پر اُگائیں، اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمھارے لیے بھی اور اُن کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔ کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقررہ مقدار میں نازل کرتے ہیں۔ مفہوم آیات ۱۹ تا ۲۱

ہم ہی پانی سے بوجھل [highly saturated and humid]، سببِ بارش بننے والی ہواؤں کو بھیجتے ہیں، پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں، اور تم کو اُس پانی سے نہال کر دیتے ہیں۔ وسیع کائنات میں پانی کی اِس لا متناہی آبی دولت کے ذخیرے کے خزانے دار تم نہیں ہو۔ پس ہم ہی ہیں جو [اِس اور اس طرح کے دوسرے انتظامات سے] زندگی اور موت دیتے ہیں، اور انجامِ کار ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ انسانوں کی جو نسلیں تم سے پہلے ہو گزریں، اُن کو بھی ہم نے خوب دیکھ رکھا ہے، اور پیچھے آنے والی بھی پوری طرح ہماری نظر میں ہیں۔ بالیقین، تیرا رب روزِ قیامت ان سب کو حیاتِ نو دے کر اکٹھا کر لے گا، بلا شبہ وہ بڑی حکمت والی صاحبِ علم ذات ہے۔ .... مفہوم آیات ۲۲ تا ۲۵

۴۰ کائنات کا ایک ایک ذرہ، خالقِ کائنات کی موجودگی اور اُس کی شانِ کاری گری کی شہادت دیتا ہے، اُس خالق نے شیطانِ مردُود کی شورشوں سے اُن کو محفوظ کرنے کے انتظام کے بارے میں مختصر بات بتائی، جس پر ہم ایمان لاتے ہیں اور اُس کی تفصیل جو اُس نے نہیں بتائی اُس کی فکر نہیں کرتے۔

انسان کی تخلیق کا واقعہ، مرحلہ بہ مرحلہ

زیرِ مطالعہ سُوْرَۃُ الْحِجْر کی اگلی آیات ۲۶تا۴۴ میں انسانیت کے آغاز کی تفصیل ہے، ہم اپنی گفتگو کے اس حصے میں ذرا پلٹ کر دیکھیں گے کہ یہاں [نبوت کے بارہویں برس] پہنچنے تک قرآن کریم میں تخلیقِ انسانیت اور انسانوں کے جدِّ اعلیٰ آدم علیہ السلام کے بارے میں کیا کچھ تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔

قرآن کے طالبِ علم جانتے ہیں اور یہ معروف بات ہے کہ مطالعہ قرآن کرتے ہوئے پہلی مرتبہ انسان کی تخلیق یا آدم علیہ السلام کا تذکرہ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ میں: وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً.......... أُولَـٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ [آیات ۳۰تا۲۹] نظروں کے سامنے سے گزرتا ہے اور یہ بھی لوگ جانتے ہیں کہ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ مدنی سورۃ ہے جب کہ برسوں سے متعدد مکی سورتوں میں آدم علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا تھا۔ اِس کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو تخلیق انسان کے قصے کا علم پہلی مرتبہ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ سے نہیں ہوا بلکہ وہ تو مکے ہی میں ایک زمانے سے اس کے مختلف اجزا قرآن کریم سے سن رہے تھے۔ مسند احمد کے مطابق اسماءؓ بنت ابو بکر بیان کرتی ہیں کہ کعبے میں مشرکین نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سُوْرَۃُ الرَّحْمٰن تلاوت کرتے سنا اور یہ اُس وقت کی بات ہے جب سُوْرَۃُ الْحِجْر کی دعوتِ عام والی آیت فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ابھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ یعنی یہ نبوت کے چوتھے سال کے آغاز سے قبل ہی نازل ہو چکی تھی، اس لیے سُوْرَۃُ الرَّحْمٰن کو ہم پہلے تین برس کی آخری سورتوں میں سے ایک مان سکتے ہیں[کاروانِ نبوت جلد اوّل طبع دوم صفحہ ۱۶۲]، جس میں کہا گیا تھا کہ: خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ [انسان کے جدامجد آدمؑ کو سڑے ہوئے گارے سے بنایا] یہ تنزیل سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ سے دس برس قبل کی ہے۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کا نام لیے بغیر پانچویں سالِ نبوت میں انسان کی اوّلین تخلیق کے بارے میں سُوْرَۃُ الصّٰٓفّٰت میں فرمایا گیا تھا: فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَم مَّنْ خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ اب اِن سے پوچھو، اِن کی پیدائش زیادہ مشکل ہے یا اُن چیزوں کی جو ہم نے پیدا کر رکھی ہیں؟ اِن کو تو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے پھر اسی سال آدم علیہ السلام کا نام لے کر سُوْرَۃُ الْکَہْف میں پہلی مرتبہ تخلیق آدم کی تفصیلات ملتی ہیں:

یاد کرو، جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ وہ جِنّوں میں سے تھا اس لیے اپنے رب کے حکم کی اطاعت سے نِکل گیا۔ اب کیا تم مجھے چھوڑ کو اُس کو اور اُس کی ذُرّیّت کو اپنا سرپرست بناتے ہو حالانکہ وہ تمھارے دُشمن ہیں؟ بڑا ہی بُرا بدل ہے جسے ظالم لوگ اختیار کر رہے ہیں [الْكَهْف آیت ۵۰]۔

یہ گویا اہلِ مکہ کو اور اہلِ ایمان کو پہلی مرتبہ آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرنے اور ابلیس کے انکار کرنے کی اطلاع تھی اس ہدایت کے ساتھ کہ شیطان ابلیس تو تمھارا دُشمن ہے، اللہ کو چھوڑ کر اُس کو اور اُس کی ذُرّیّت [خدائی کا منصب سنبھالے مقتدر طبقے] کو اپنا سرپرست[41] بناتے ہو؟ اسی پانچویں سال سُوْرَةُ مَرْيَم میں آدم علیہ السلام کا نامِ نامی، اسم گرامی بغیر کسی تفصیل کے یوں وارد ہوا: ...... مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ...... ﴿۵۸﴾ اسی طور اسی برس، بغیر کسی تفصیل کے آدمؑ کا نام سورۃ یٰسٓ میں بھی وارد ہوا: أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۶۰﴾ ہاں البتہ سُوْرَةُ یٰسٓ سے ماقبل نازل ہونے والی سُوْرَةُ طٰهٰ میں قدرے تفصیل سے قصّہ آدم و ابلیس ذکر ہوا۔

یاد کرو وہ وقت جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ وہ سب تو سجدہ کر گئے، مگر ایک ابلیس تھا کہ انکار کر بیٹھا۔ اس پر ہم نے آدمؑ سے کہا کہ ''دیکھو، یہ تمھارا اور تمھاری بیوی کا دشمن ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ تمھیں جنّت سے نکلوا دے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہاں تو تمھیں یہ آسایشیں حاصل ہیں کہ نہ بھُوکے ننگے رہتے ہو نہ پیاس اور دُھوپ تمھیں ستاتی ہے۔'' لیکن شیطان نے اس کو پھُسلایا۔ کہنے لگا ''آدم! بتاؤں تمھیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور

۴۱ اللہ کو چھوڑ کر شیطان کی بندگی ایک نوع کا معروف شرک ہے اور اسی طرح بے قید بر ملا نفس کی بندگی بھی، اِن دونوں کی پرستش کی قرآن نے متعدد جگہ نشان دہی کی ہے۔ اِن دونوں طرح کی گم راہیوں میں سِوائے معدودے چند مخلص اور صالح اہلِ ایمان کے تمام مقتدر طبقے مبتلا رہے ہیں۔ تاریخ کے ہر دور میں یہ مقتدر اہل الملاء ہی زمین پر شیطان کی ذریت ہیں اور انسانوں نے اِن کو ہی ہمیشہ اپنا سرپرست بنایا ہے، یہ لوگوں کے سر اپنے آگے جھکوا کر اُن کو شرک پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ زمین پر اللہ کے مقابلے میں طاغوت ہیں، اِن کی سرپرستی سے نجات ہی ایمان کا حاصل ہے۔

لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے!“ آخرکار دونوں (میاں بیوی) اُس درخت کا پھل کھا گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوراً ہی اُن کے ستر ایک دوسرے کے آگے کھل گئے اور لگے دونوں اپنے آپ کو جنّت کے پتّوں سے ڈھانکنے۔ آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے بھٹک گیا۔ پھر اُس کے رب نے اُسے برگزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کر لی اور اسے ہدایت بخشی۔ اور فرمایا ”تم دونوں (فریق، یعنی انسان اور شیطان) یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دُوسرے کے دُشمن رہو گے۔ اب اگر میری طرف سے تمھیں کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری اُس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہو گا۔ [سُوْرَۃُ طٰہٰ آیات ۱۱۷ تا ۱۲۳]

یہ طویل اقتباس اس لیے نقل کر دیا کہ پوری بات مستحضر ہو جائے۔ سُوْرَۃُ طٰہٰ میں بیان شدہ واقعے کا یہ حصہ ابھی تک نہ بیان ہوا تھا اور نہ ہی زیرِ مطالعہ سُوْرَۃُ الْحِجْر کی اگلی آیات میں اس کا تذکرہ ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ پانچویں سال میں، سُوْرَۃُ الصّٰٓفّٰت، سُوْرَۃُ الْکَھْف، سُوْرَۃُ مَرْیَم، سُوْرَۃُ طٰہٰ اور سُوْرَۃُ یٰسٓ میں مذکورہ بیانات ہم دیکھ چکے ہیں۔ چھٹے سال سُوْرَۃُ الرُّوْم میں بیان ہوا:

اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر یکایک تم جیتے جاگتے انسان بن گئے اور زمین پر تمھاری نسل پھیلتی ہے۔ اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان محبّت اور رحمت پیدا کر دی، اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں [سُوْرَۃُ الرُّوْم آیات ۲۰ تا ۲۱]

اس تنزیل کے بعد جو نہ صرف پہلے انسان کے مٹی سے پیدا ہونے کو بیان کرتی ہے بلکہ پہلے انسان ہی کی جنس سے عورتوں کی پیدایش کی بھی اطلاع دیتی ہے۔ انسانی تخلیق کے چھٹے سال میں تذکرے کے چار سال بعد دسویں برس سُوْرَۃُ صٓ میں اس واقعے کی مزید تفصیلات آئیں: اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ............... لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿سُوْرَۃُ صٓ ۷۱-۸۵﴾ اِس طویل اقتباس کو یہاں مکمل اس لیے نقل نہیں کیا کہ اِس میں مذکور تمام باتیں زیرِ مطالعہ سورۃ کی اگلی آیات میں آ رہی ہیں۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے: قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا

مَنَعَكَ أَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ أَسۡتَكۡبَرۡتَ أَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِینَ ﴿۷۵﴾؛ تجھے کس چیز نے اُس [آدم] کو سجدہ کرنے سے منع کیا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے؟ یہ تیری اکڑ ہے یا تُو کوئی برتر چیز ہے؟

قرآن مجید میں گزشتہ [یا کہیے کہ نبوت کے پہلے] گیارہ برسوں میں اب تک جو کچھ بھی تخلیقِ آدم اور تخلیقِ انسان کے بارے میں بیان ہوا ہے، اُس کا ایک اجمالی جائزہ اوپر کی سطور میں آگیا، اب زیرِ مطالعہ سورت، سُوۡرَةُ الۡحِجۡر میں یہ واقعہ مذکور ہے مزید یہ ابھی سُوۡرَةُ بَنِیۡٓ اِسۡرَآئِیل، سُوۡرَةُ الۡاَعۡرَاف اور سُوۡرَةُ الۡبَقَرَة میں آنا باقی ہے، جن کی تکمیل کے بعد ان شاءاللہ تمام مذکورہ جگہوں سے جو مکمل تصویر واقعاتی ترتیب سے بنتی، ہے اُس پر گفتگو ہو سکے گی۔ اب ہم اپنی گفتگو کو پھر وہیں سے جاری رکھتے ہیں جہاں سے سلسلہ منقطع ہوا تھا۔

قصہ آدمؑ و ابلیس کے بتانے کی غایت یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے اللہ کے یہاں وہی راندۂ درگاہ اور عتابِ الٰہی کا شکار ہوتے ہیں جو تکبر کرتے اور اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہیں، آج نبی ﷺ کے سامنے مکے میں سردارانِ قریش اِن ہی دونوں خطاؤں کے مرتکب ہو رہے ہیں یہ ابلیس کا رویہ ہے، جب کہ نبیوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ غلطی پر اصرار نہیں کرتے بلکہ فوراً پلٹنے والے اور توبہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ آدمؑ کے قصے میں بھی یہی اہم بات ہے کہ وہ غلطی پر فوراً نادم اور فوراً پلٹنے والے ہوتے ہیں۔ یہاں چوں کہ اہمیت قریش کو اُن کے بے جا تکبّر اور رسالت و کتاب کے پیہم انکار پر توجہ دلانے کی ہے لہٰذا ابلیس کے رویے کو اجاگر کیا گیا ہے۔

یہاں اس واقعے کے تذکرے سے ایک اور مقصود بھی حاصل ہوتا ہے کہ منکرین کو یہ بتایا جائے کہ محمد ﷺ کے آگے جھکنے [اُنھیں لیڈر ماننے اور رسالت کو تسلیم کرنے] سے جو تکبّر تمھیں مانع ہے وہی تکبّر ابلیس کو بھی آدم کے آگے جھکنے میں مانع ہوا تھا۔ اللہ نے جو مرتبہ آدمؑ کو دیا تھا اس پر ابلیس نے حسد کیا اور اللہ کی عطا اور بخشش کے مقابلے میں سرکشی اختیار کر کے لعنت کا مستحق ہوا۔ اسی طرح آج جو مرتبہ اللہ نے محمد ﷺ کو نبوت عطا کر کے دیا ہے، اِس پر تم اُس سے جلتے ہو اور اِس بات پر ہرگز آمادہ نہیں ہو کہ جسے اللہ نے اپنا رسول مقرر کیا ہے اس کی اطاعت کرو، اس لیے جو انجام ابلیس کا ہونا ہے وہی آخر کار تمھارا بھی ہونا ہے۔

سُوْرَۃُ الْحِجْرمیں تخلیقِ آدم کا واقعہ

ہم نے انسان کو کالی، سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی کے گارے سے بنایا۔ جنوں کو ہم پہلے ہی آگ کی لپٹ سے پیدا کر چکے تھے۔ انھیں وہ موقع یاد دلاؤ کہ جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ جب میں اُسے پُورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اُس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ چنانچہ تمام فرشتوں [بشمول اُن کے جو جنوں میں سے تھے] نے سجدہ کیا۔ .... مفہوم آیات ۲۶ تا ۳۰

اللہ کے حکم کی نافرمانی اور تکبر کرنے پر ابلیس کا راندۂ درگاہ ہونا

سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اُس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا [کہ اُسے اپنے آگ کے شعلے سے پیدا ہونے پر غرور تھا]۔ پروردگار نے دریافت کیا کہ اے ابلیس، تیرا یہ کیسا روّیہ ہے کہ تُو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟'' اس نے کہا کہ میں ایسا [بھی گیا گزرا] نہیں کہ اس انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ رب نے فرمایا: اچھا تو اب راندۂ درگاہ ہوا، نکل جا یہاں سے، اور اب یومِ قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ میرے پروردگار یہ بات ہے تو پھر مجھے اُس روز تک کے لیے [انسانوں کو گم راہ کرنے کے لیے وسائل و آزادی کے ساتھ] مہلت دے کہ جب سب انسان [مرنے کے بعد] دوبارہ اُٹھائے جائیں گے۔ فرمایا: جا، تجھے بھی مہلت ہے اُس دن تک جس کا وقت ہمیں معلوم ہے۔............ مفہوم آیات ۳۱ تا ۳۸

شیطان کا انسانوں کو صراطِ مستقیم سے اغوا کرنے کا اعلان

شیطان نے کہا میرے رب، جیسا تُو نے مجھے گم راہ کیا اُسی طرح اب میں بھی ضرور بالضرور انسانوں کو [تجھ سے بے گانہ کر کے] دنیا کو اِن کی نگاہوں میں سجا دوں گا اور پھر سوائے تیرے منتخب کردہ مخلص بندوں کے اِن سب کو اپنے دام میں اغوا کر لوں گا۔ اللہ کی جانب سے فرمایا گیا کہ یہ [اخلاص و بندگی ہی کی] سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے۔ بے شک، جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا بس نہ چلے گا۔ مگر جو خود گم راہی کے طلب گار ہوں گے، وہی تیری پیروی کریں گے، اور ان سب کے لیے

جہنّم کی گارنٹی ہے۔اس جہنم کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازہ ایک نوع کے گم راہوں کا مقدر ہے۔
.... مفہوم آیات ۳۹تا۴۴

اغوائے شیطانی سے بچ جانے والوں کے لیے انعام واکرام

دوسری جانب وہ مخلص وپرہیز گار بندے جو اغوائے شیطانی سے اپنے آپ کو بچالیں گے باغوں اور چشموں میں ہوں گے، روز محشر اُن سے کہا جائے گا کہ اِن باغوں اور چشموں میں بے خوف وخطر امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں [غلطی سے یا غلط فہمی سے] جو دلوں میں باہمی رنجشیں ہوں گی اُسے ہم نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بنے آمنے سامنے تختوں پر ہم نشین ہوں گے۔ انھیں وہاں کسی تکلیف اور تھکن سے کوئی واسطہ ہو گا اور نہ کبھی وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔اے نبیؐ، میرے بندوں کو خبر دیجیے کہ میں بلاشبہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہوں، مگر [شیطان کے چیلے طاغی اور باغی بندوں] کے لیے میرا عذاب بڑا ہی دردناک ہے۔ ....
.... مفہوم آیات ۴۵تا۵۰

ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ

ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اب [بارہویں سال] تک ۱۲ مختلف نازل ہو چکنے والی سورتوں میں آ چکا ہے۔

۸۷- سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی، ۵۱۔ سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰت، ۲۹- سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْت، ۴۰- سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن،
۳۷- سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت، ۵۳-سُوْرَۃُ النَّجْم، ۴۲-سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی، ۴۳-سُوْرَۃُ الزُّخْرُف،
۲۶-سُوْرَۃُ الشُّعَرَآء، ۲۱- سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآء، ۳۸- سُوْرَۃُ صٓ، ۱۱- سُوْرَۃُ ھُوْد

مگر ابھی آیندہ نازل ہونے والے قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ دیر تک مدنی زندگی میں بھی جاری رہے گا لہٰذا اِس کا ایک تکمیلی جائزہ آخر ہی میں ممکن ہو گا۔ آیئے سُوْرَۃُ الْحِجْر کے مطالعے کو جاری رکھتے ہیں۔

اور [آدم وابلیس کے قصے کے بعد] انھیں ذرا ابراہیمؑ کے مہمانوں کا قصّہ بھی سُناؤ۔ جب وہ اُس کے ہاں پہنچے اور ابراہیم کو سلام کیا تو اُس نے کہا ہمیں تو آپ لوگوں سے خوف محسوس ہو رہا ہے، مہمانوں نے کہا کہ کسی اندیشے کی بات نہیں، ہم [اللہ کی جانب سے] تمھارے گھر میں ایک بڑے

صاحبِ علم بیٹے کی پیدائش کی خوش خبری دیتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے کہا'' کیا تم اِس بڑھاپے میں مجھے یہ خوش خبری دے رہے ہو؟ ذرا خیال تو کرو کہ یہ اس خوش خبری کا کون سا مناسب موقع ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تمھیں پوری ہونے والی سچی خوش خبری دے رہے ہیں، تم ناامید نہ ہو۔'' ابراہیمؑ نے کہا کہ سوائے گم راہوں کے اپنے رب کی رحمت سے مایوس کون ہوتا ہے۔ مفہوم آیات ۵۱تا۵۶

نبی کی بیوی بھی سر کشی کے سبب عذاب سے نہ بچ سکے گی

پھر ابراہیمؑ نے پوچھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! کس مہم پر نکلے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف [اُس کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لیے عذاب کے ساتھ] بھیجے گئے ہیں، صرف لوطؑ کا خاندان بچ سکے گا، اُس کے سب گھر والوں کو ہم [بستی سے نکال کر] بچا لیں گے، سوائے اُس کی بیوی کے جس کے لیے اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔ پھر جب [ابراہیمؑ سے جدا ہو کر] یہ ملائکہ [خوب صورت نوخیز لڑکوں کی شکل میں] لوطؑ کے یہاں پہنچے تو لوطؑ نے اُن سے کہا آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا، [کوئی اجنبی نہیں]، بلکہ ہم تو وہی چیز [یعنی شرک وطغیان کی پاداش میں عذاب الٰہی] لے کر آئے ہیں جس [کے آنے سے آپ انھیں ڈراتے رہے مگر جس] کے بارے میں یہ لوگ ہمیشہ شک میں پڑے رہے، ہم آپ کو یقینی خبر دے رہے ہیں کہ ہم طے شدہ فیصلے کے ساتھ یہاں آئے ہیں، لہٰذا کچھ رات باقی رہے تو اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلنا، کوئی بھی تم میں سے مڑ کر [بستی کو حسرت و افسوس کے لیے] نہ دیکھے۔ بس سیدھے نکل جاؤ جدھر نکلنے کا تمھیں حکم دیا جا رہا ہے۔ .... مفہوم آیات ۵۷تا۶۵

جاہلی تہذیب کو بے حیائی اور بدکاری کی کھلی اجازت درکار ہے

اور اس طور ہم نے اُس سر زمین میں متعین اپنے نمایندے (پیغمبر)، لوطؑ کو بستی کے بارے میں اپنے فیصلۂ عذاب سے مطلع کر دیا، اس تنبیہ کے ساتھ کہ صبح دم اِن لوگوں کی نسل کشی کر دی جائے گی۔ ادھر [پیغمبر اور ملائکہ کے درمیان یہ گفتگو جاری تھی کہ] شہر کے لوگ [خوب رو لڑکوں کی آمد کی خبر پا کے] خوشی خوشی لوطؑ کے گھر کے باہر جمع ہو گئے۔ لوطؑ نے کہا، بھائیو، یہ میرے مہمان ہیں، مجھے

رسوا نہ کرو، اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو [۴۲]۔ وہ بولے، کیا ہم نے تجھے دنیا بھر کی ٹھیکے داری پر منع نہیں کر رکھا؟ [یعنی باہر سے آئے ہوئے لوگوں کے ساتھ ہم کچھ بھی کریں، تجھے بولنے کا کوئی حق نہیں]۔ لوطؑ نے کہا کہ اگر تمھیں اپنی جنسی خواہش کی تسکین ضروری ہی ہے تو فطری وسیلہ میری بیٹیاں [قوم کی خواتین] موجود ہیں [اِن سے نکاح کر لو لیکن] تیری جان کی قسم اے نبیؐ، اُس وقت بدمستی میں وہ اندھے ہو چکے تھے !............................... مفہوم آیات ۶۶تا۷۲

مشرک اور بدکار قوم کو ہلاک کر دیا گیا

آخر کار صبح دم ہی اُن کو ایک زبردست دھماکے نے لرزا کر رکھ دیا پھر ہم نے اُس بستی کو اوپر تلے زلزلوں سے تلپٹ کرتے ہوئے [مشرک بدکاروں پر] پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش برسادی۔ بے شک اِس واقعے میں بڑی عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو دانش مند ہیں۔ اور اس معذوب بستی کے کھنڈرات عرب تاجروں کے قافلوں کی گزر گاہِ عام پر واقع ہیں، اُس واقعے میں اہلِ ایمان کے لیے بڑی نشانی ہے۔ اور اَیکہ والے بھی ظالم [مشرک] تھے، آخر ہم نے اُن سے بھی انتقام لیا، ان دونوں برباد قوموں کے کھنڈرات کھلے راستے پر نشانِ عبرت بنے پڑے ہیں۔ ...... مفہوم آیات ۷۳تا۷۹

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨٠﴾

اور حجر والوں نے بھی [دعوتِ توحید کا علم اُٹھائے] رسُولوں کو جھٹلایا تھا۔ رسولوں نے اُن کو نشانیاں بھی دکھائیں جو ہم نے اُن کی صداقت پر شہادت کے لیے عطا کی تھیں۔ مگر وہ منکرین، سب کو نظر انداز ہی کرتے رہے، وہ پہاڑوں کو تراش کر اُن میں عالی شان مکانات بناتے تھے اور اپنی جگہ [اللہ کی پکڑ سے] بالکل بے خوف اور مطمئن تھے۔ آخر کار ایک صبح زبردست دھماکے نے اُن کو آلیا اور جو کچھ اُنھوں نے کمایا تھا کچھ کام نہ آیا۔ ہم نے زمین اور آسمان کو اور اُن کے درمیان جو کچھ بھی ہے اُسے حق [نیک مقصد] کے بغیر تخلیق ہی نہیں کیا ہے، بلاشبہ فیصلے کی گھڑی تو آنی سو آنی ہے، پس اے محمدؐ، تم

---

۴۲ لوط علیہ السلام اپنے اِن خوب رُو مہمان نوجوانوں کے بارے میں یہ نہ جان سکے کہ یہ فرشتے ہیں، معلوم ہوا کہ انبیاء بھی علمِ غیب نہیں رکھتے، اسی طرح پہلے جب یہی فرشتے یہاں آنے سے قبل ابراہیم علیہ السلام کے گھر بیٹے کی بشارت دینے آئے تھے تو آں جناب بھی فرشتوں کو نہ پہچان سکے تھے اور اُن کے لیے کھانا لے آئے تھے!

[مشرک مخالفین کی بے ہودگیوں پر] پُروقار عفوو در گزر کا معاملہ کرو۔ یقیناً تمھارا رب ہی سب کا خالق ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ .... مفہوم آیات ۸۰تا۸۶

نبی ﷺ پر عنایات: آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ

سورۃ اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہی ہے، قرآن مجید کی دیگر آیات اور آنے والی آیات سے یہ اندازہ ہوتا ہے اور احادیث و آثار سے بھی کہ دنیاوی مال و دولت سے تہی اہلِ ایمان قوم کے ایمان نہ لانے اور اُن کے متکبر سرداروں کے اقتدار و دولت سے فیض یاب ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر اپنے اذہان میں ایک جواب طلب سوال سے الجھے ہوئے تھے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی دینے والی، دنیاوی متاع کی بے حقیقتی کو ظاہر کرنے والی آیات نازل ہوئیں۔ اور جرأت و بہادری سے دعوت کو عام کرنے کا حکم دینے والی وہ آیات جو چوتھے سال کے آغاز میں نازل ہوئی تھیں یہاں مصحف میں اس مقام پر [سُوْرَۃُ الْحِجْر میں] درج کر دی گئیں۔

اِن آیات کے نزول کے موقع پر جو الجھنیں ذہنوں میں مچل رہی تھیں، اُن کے تذکرے سے گفتگو کا آغاز بھی اور مدعا بھی دونوں ہی صاف سمجھ میں آجاتے ہیں۔ بظاہر خطاب صرف نبی ﷺ سے ہے، مگر مخاطب سارے اہلِ ایمان ہیں، کہا گیا کہ اِن متکبر سرداروں کو بھلا کیا ملا ہے جو کچھ کہ تمھیں ملا ہے، وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿۸۷﴾ تمھیں تو ہم نے بار بار دہرائی جانے والی وہ بابرکت سات آیات عطا کی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی دولت ہو ہی نہیں سکتی، اور یہی قرآن عظیم [کا دیباچہ] ہے، جو پیہم نازل ہو رہا ہے۔ اور یہ کہ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾ اِن متکبر مشرک سردارانِ قریش کے جاہ و جلال اور دنیاوی متاعِ دولت پر ایک نگاہِ غلط انداز بھی نہ ڈالو۔ اِن متکبرین کے احوال و اطوار ہر چند کہ بڑے ہی خراب ہیں مگر اُن پر آزردہ نہ ہو، ان سے نظریں پھیر کر ایمان کی دعوت پر لبّیک کہنے والے ساتھیوں کو آغوشِ محبت میں لے لو، اللہ تمھارا بیڑا پار لگائے گا۔

سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي کیا ہیں؟ سورۃ الفاتحہ یا قرآن کے نو دریافت سات گروپس[۴۳]

اِن آیتوں کے لفظی معانی سے قطع نظر، جو مفہوم درج کیا گیا ہے کیا یہ وہی نہیں ہے جو اس مکی سورۃ کے نازل ہونے کے موقع پر اُن اصحاب رضی اللہ عنہم کی سمجھ میں آیا ہوگا جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات مبارکہ نزول کے بعد سُنائی ہوں گی، اُن اصحاب رضی اللہ عنہم کو جن کی اکثریت مکتبی تعلیم سے بہرہ ور نہیں تھی، جنھوں نے لغات نہیں دیکھے تھے، نہ ہی صرف و نحو کو پڑھا تھا اور نہ ہی تفاسیر اُن کے سامنے تھیں۔ محض ایک بات ہے جو آج کا انسان پوچھ سکتا ہے کہ سبع مثانی، دہرائی جانے والی سات آیات سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سمجھ میں کیا آیا ہوگا کہ یہ کون سی ہیں؟ اُس وقت تو قرآن کا ایک بڑا حصہ [مدنی دور کی سورتیں تو لازماً] نازل ہونا باقی تھیں۔ ظاہر ہے وہ سات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم........... تا........ والضالین، ہی سمجھے ہوں گے جو سات آیات دن بھر نمازوں میں بار بار دہراتے تھے۔ اِس کو سمجھنے کے لیے تفسیر و لغت میں کسی پی ایچ ڈی کی یادِ دورِ جاہلیت کی عرب شاعری پر محققانہ نظر کی ضرورت نہیں تھی۔

یہی وہ حقیقت ہے جسے برسوں بعد مدینے کی مسجد میں دیر سے اسلام میں داخل ہونے والوں کے سامنے اس لیے دُہرایا اور بیان کیا گیا کہ سند رہے بوقتِ ضرورت کام آئے اور تا قیامت اس مسئلے میں کوئی ابہام نہ رہے، اللہ اپنی رحمتیں اور مغفرتیں تمام کردے امام مالک رحمہ اللہ[۴۴] اور امام بخاری رحمہ اللہ[۴۵] پر جنھوں نے اس کو ثقہ واسطوں سے سن کر اُن کی ثقاہت کی تحقیق کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا شدہ فرمان کو اپنے مجموعوں میں درج کر دیا کہ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي سے مراد یہی بسم اللہ الرحمٰن.... تا........ والضالین سات آیات ہیں۔ اب اگر کوئی ڈیڑھ ہزار سال بعد قرآن کے سات گروپس کو تلاش کرے اور اُس کے پاس کچھ دلائل بھی ہوں تو یہ بڑی مبارک بات ہے مگر

---

۴۳ نظم کے اعتبار سے فراہی مکتبہ تفسیر نے پورے قرآن مجید کو سات مجموعوں یا منزلوں میں تقسیم کیا ہے، اور ان کو گروپس کا نام دیا ہے۔ بعض احباب کو اس انگریزی لفظ کا تکرار سے استعمال ادبی لحاظ سے اردو قرآنی ادب میں نہیں جچتا، مگر ہر دریافت کرنے والے کو اپنی دریافت چیز کو نام دینے کا اختیار ہوتا ہے، کسی اور نام سے وہ چیز پہچانی ہی نہیں جاتی۔

۴۴ حاشیہ ۱۳۰ پر ملاحظہ فرمایے۔

۴۵ حاشیہ صفحہ ۱۳۱ پر ملاحظہ فرمایے۔

جب اصرار کے ساتھ یہ کہا جائے کہ یہ وہی سات ٹکڑے ہیں جن کا ذکر سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي میں اللہ تعالیٰ نے کیا تھا تو ساری لغت بیانی اور طویل دلائل کے سلسلہ ہائے دراز میں وہ بات کھو جاتی ہے جو اس آیت کے سامعینِ اوّل نے سمجھی تھی۔ چناں چہ ہمارے خیال میں سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي سے مراد قرآنی سورتوں کے ہر گزوہ سات گروپس نہیں ہیں جن کا اصلاحیؒ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي پر اطلاق کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

......قرآن میں سورتوں کی ترتیب اس طرح ہے کہ ان کے الگ الگ سات گروپ یا سات مجموعے بن گئے ہیں۔ ہر گروپ ایک یا ایک سے زیادہ مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر تمام ہوتا ہے۔ اس طرح قرآن گویا سات ابواب پر مشتمل ہے جن کے اندر سورتوں کی حیثیت فصلوں کی ہے۔ ان ابواب اور ان فصلوں میں مضامین مشترک بھی ہیں اور ہر باب اور ہر فصل کا ایک خاص امتیازی پہلو بھی ہے، جو ان کو ایک دوسرے سے ممیز کرتا ہے۔ سورۂ فاتحہ کی حیثیت پورے قرآن کے دیباچہ کی ہے، جس میں اجمال کے ساتھ وہ تمام مطالب آ گئے ہیں جو پورے قرآن میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

اس روشنی میں زیرِ بحث آیت کی تاویل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ہم نے تمھیں سات مثانی کا مجموعہ یعنی قرآن عظیم دیا............... [اصلاحیؒ، تدبرِ قرآن، جلد ۴، صفحہ ۳۷۸]

نبی ﷺ نے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي سے مراد سورۂ فاتحہ بتائی ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے دو مرفوع روایات [دیکھیے حاشیہ ۴۳] اس امر کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ اسی لیے بیشتر متقدمین، سلف صالحین نے اس سے سورۂ فاتحہ ہی کو مراد لیا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال [بغیر اصرار کے] یہ بھی ہے کہ اس سے مراد سو سے زائد آیتوں والی سات پہلی بڑی سورتیں [البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف اور یونس یا انفال و توبہ] بھی ہو سکتی ہیں، لیکن نبی ﷺ کے واضح فرمان کے بعد اِن گمانوں کا بھی محورِ اصلی کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں ہے۔ محمد بن جریر الطبری اپنی تفسیر میں ایک دوسری حدیث[۴۶] [عن أبي هريرة] نقل کرتے ہیں جو سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي کے الفاظ کی سورۂ فاتحہ پر اطلاق کی تصدیقِ مزید ہے۔ صاحبِ تدبرِ قرآن نے اِن احادیث کا محل بھی اپنے بیان

۴۶ حدیث کا متن صفحہ ۱۳۲ پر ملاحظہ فرمایئے۔

کردہ قرآن مجید کے سات گروپس کو قرار دیا ہے، [اصلاحیؒ،تدبرِقرآن، جلد ۴، صفحہ ۳۷۸]

ہم نے اِن احادیث کو من و عن نقل کر دیا ہے، اب جو چاہے اِن احادیث کے الفاظ کے اندر اتر کر ان کا مدعا و مفہوم متعین کر لے اور ذرا بھی الفاظ کا دامن اپنے ہاتھ سے جانے نہ دے!

سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي پر گفتگو کچھ طویل ہو گئی، امید ہے کہ بات واضح ہو گئی ہو گی، اِن آیات کے فوراً بعد جب آپؐ نے مکے میں موجود اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو یہ آیت سُنائی ہو گی اور جب یہ کچھ عرصے میں حبشہ میں مقیم ساتھیوں تک پہنچی ہو گی تو کسی کے پاس کم و بیش ڈیڑھ ہزار سال بعد دریافت ہونے والے نظمِ قرآن کے سات گروپس کا علم نہیں تھا بلکہ چند گروپس تو ابھی تک نازل ہی نہیں ہوئے تھے اور نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اُن کی توقیفی ترتیب بھی نہیں کی تھی، ہر گروپ میں جو مکی اور مدنی جوڑے بننے تھے اُن تمام کا مدنی حصے کے نزول کا تو سوال دور کی بات ہے، پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور صحابہ تک کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ہجرت کا مقام کیا ہو گا۔ ہر گروپ کا مدنی حصہ چھوڑیں، گروپس کے مکی حصہ کا بڑا قابلِ ذکر حصہ بمع الانعام، الاعراف جیسی بڑی سورتوں کے ابھی منتظر نزول تھا۔ یوں یہ جانا جا سکتا ہے کہ اُس موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے جو بھی آیات سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي کی مصداق رہی ہوں گی، وہی آج بھی ہیں اور صادق و مصدوق نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی زبانی ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ وہ سورۃ الفاتحہ ہے۔ والعلم عند اللہ

اہلِ دنیا کے ٹھاٹ باٹ کو پر کاہ کی حیثیت نہ دو

اے محمدؐ! ہم نے تم کو سات ایسی آیتیں دی ہیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور تمھیں قرآنِ عظیم عطا کیا ہے۔ تم اس مال و دولتِ دُنیا پر نگاہِ غلط انداز بھی نہ ڈالنا جو ہم نے اہلِ دنیا کے امیروں رئیسوں اور مقتدر لوگوں کو دے رکھی ہے، اور نہ اُن کے انکارِ حق پر اپنا دل کُڑھاؤ[۴۷]۔ انھیں چھوڑ کر ایمان کی دعوت پر لبّیک کہنے والوں کو آغوشِ محبت میں لے لو۔ دنیا کو بتا دو کہ میں تو بس ایک کھلا ہوا، اللہ کی پکڑ سے ڈرانے والا ہوں۔ یہ ویسا ہی ڈراوا ہے، جو ہم نے اُن فرقہ بازوں [سابق حاملینِ کتابِ الٰہی] کو دیا تھا، جنھوں نے اپنے قرآن [کتابِ الٰہی] کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے۔ پس، تیرے رب کی قسم، ہم ضرور ان سے پوچھیں گے کہ [وہ اللہ کے دین اور اُس کی کتاب کے ساتھ] کیا کرتے رہے۔ ....[مفہوم آیات ۸۷تا۹۳]

---

۴۷ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ سے مراد منکرین کے حال پر کڑھنا ہے، یعنی اُن کے ایمان نہ لانے پر، اُن کے دنیا اور معاصی میں مست رہنے اور خالق اور آخرت سے غفلت پر رنجیدہ ہونا ہے۔

حاشیہ ۴۴: موطأالامام مالک کی حدیث

• حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلاَءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ مَوْلَى عَامِرِ بْنِ كُرَيْزٍ أَخْبَرَهُ:

• یحییٰ نے بیان کیا مالک کے حوالے سے، اُنھوں نے روایت کی العلاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب سے ،انھوں نے بتایا کہ ابوسَعِیدٍ مَوْلیٰ عَامِرِ بْنِ کُرَیْزٍنے اُسے خبر دی ہے کہ

• أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَادَى أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَهُوَ يُصَلِّي، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلاَتِهِ لَحِقَهُ،

• رسول اللہ ﷺ نے أُبَيّ بْنَ كَعْب رضی اللہ عنہ کو پکارا جب کہ وہ نماز ادا کر رہے تھے، جب وہ نماز مکمل کر چکے تو آپؐ کے پاس آئے،

• فَوَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَهُ عَلَى يَدِهِ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَخْرُجَ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ

• اور قریب تھا کہ آپ [ﷺ] مسجد کے دروازے سے نکل جائیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھا،

• فَقَالَ: إِنِّي لأَرْجُو أَنْ لاَ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى تَعْلَمَ سُورَةً مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِي التَّوْرَاةِ وَلاَ فِي الإِنْجِيلِ، وَلاَ فِي الْقُرْآنِ مِثْلَهَا».

• آپؐ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ مسجد سے نہ نکلوں جب تک کہ تمھیں ایک ایسی سورۃ کی تعلیم نہ دے دوں کہ ویسی سورۃ اللہ نے نہ توریت میں اور نہ ہی انجیل میں اور نہ ہی قرآن میں کوئی دوسری نازل کی ہے۔

• قَالَ أُبَيٌّ : فَجَعَلْتُ أُبْطِئُ فِي الْمَشْيِ، رَجَاءَ ذَلِكَ، ثُمَّ قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ السُّورَةَ الَّتِي وَعَدْتَنِي.

• أُبَيّ بْنَ كَعْب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ : پس اِس [سورۃ کو جان لینے کی] امید پر میں نے اپنی رفتار کو آہستہ کیا اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول، وہ سورۃ [تو بتائیں] جس کا آپؐ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔

• قَالَ:«كَيْفَ تَقْرَأُ إِذَا افْتَتَحْتَ الصَّلاَةَ ».

• آپ نے کہا کہ نماز کی جب ابتدا کرتے ہو تو کیا تلاوت کرتے ہو،

• قَالَ : فَقَرَأْتُ (الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) حَتَّى أَتَيْتُ عَلَى آخِرِهَا.

• میں نے کہا کہ میں تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ .... یہاں تک کہ سورۃ کے آخر تک میں نے تلاوت کر دی۔

• فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:هِيَ هَذِهِ السُّورَةُ وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُعْطِيتُ »

• رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہی تو وہ سورۃ ہے، ارے یہی وہ سبع مثانی اور قرآنِ عظیم ہے جو مجھے عطا کی گئی ہے۔

[**موطأ الإمام مالك**/كتاب الصلاة ٨- باب مَا جَاءَ فِي أُمِّ الْقُرْآنِ]

حاشیہ ۴۵: بخاری کی احادیث ۴۶۴۷ اور ۴۷۰۳

● حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ **أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى**،

● ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے بیان کیا، ان سے شعبہ نے بیان کیا کہ مجھ سے خبیب بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا، ان سے حفص بن عاصم نے اور ان سے ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ

● قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ، فَدَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أُجِبْهُ،

● میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے اسی حالت میں بلایا، میں نے کوئی جواب نہیں دیا

● فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي، فَقَالَ: ""أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ سورة الأنفال آية ۲۴،

● (پھر بعد میں، میں نے حاضر ہو کر) عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس پر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے نہیں فرمایا ہے «استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم» "اللہ اور اس کے رسول جب تمھیں زندگی بخش چیز کی طرف بلائیں تو لبیک کہو"

● ثُمَّ قَالَ لِي: ""لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ""،

● پھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھ سے فرمایا کہ آج میں تمھیں مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک ایسی سورۃ کی تعلیم دوں گا جو قرآن کی سب سے عظیم سورۃ ہے۔

● ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ، قُلْتُ لَهُ: أَلَمْ تَقُلْ لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ؟

● پھر آپؐ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جب آپؐ باہر نکلنے لگے تو میں نے یاد دلایا کہ آپ نے مجھے قرآن کی سب سے بڑی سورۃ بتانے کا وعدہ کیا تھا۔

● قَالَ: ""الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سورة الفاتحة آية ۲ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي، وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ

● آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا «الحمد لله رب العالمين» یہی وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

[**بخاری، حدیث ۴۶۴۷**، باب: قرآن مجید کی تفسیر کے بیان میں]

یہی حدیث بخاریؒ ایک دوسری سند سے لائے ہیں جس میں اُنھوں نے کہا کہ "مجھ سے محمد بن بشار نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے غندر نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا" آگے کی باقی سند مکمل وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔[**بخاری، حدیث ۴۷۰۳**]

- حدثنا أبو كريب ، قال : ثنا أبو أسامة، عن عبد الحميد بن جعفر ، عن العلاء بن عبد الرحمن بن يعقوب ، عن أبيه ، عن **أبي هريرة** عن أبي ، ،

- ہم سے ابو کریب نے بیان کیا، کہ اَبو اُسامہ نے، اُن سے عبدالحمید بن جعفر نے بیان کیا، اُن سے العلاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب نے، انھوں نے اپنے باپ سے کہ ابو ھریرہؓ نے اُبیؓ سے روایت کی کہ:

- قال : قال رسول الله ﷺ : " ألا أعلمك سورة ما أنزل في التوراة ولا في الإنجيل ولا في الزبور ، ولا في الفرقان مثلها؟ قلت: بلى ،

- کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ، سنو، کیا میں تمھیں ایک ایسی سورۃ کی بابت نہ بتاؤں جیسی کہ نہ نازل ہوئی ہے توریت میں، نہ انجیل میں نہ ہی زبور میں اور نہ ہی قرآن میں اُس جیسی کوئی دوسری ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں ضرور۔

- قال : إني لأرجو أن لا تخرج من ذلك الباب حتى تعلمها ، فقام رسول الله ﷺ وقمت معه ، فجعل يحدثني ويده في يدي ،

- آپؐ نے کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ آج میں تمھیں [مسجد کے] اس دروازے سے نکلنے سے پہلے اِس کا علم عطا کر دوں۔ پھر آپؐ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

- فجعلت أتباطأ كراهية أن يخرج قبل أن يخبرني بها ، فلما قرب من الباب قلت : يا رسول الله السورة التي وعدتني ،

- پس میں نے اس خوف سے اپنی چال میں آہستگی اختیار کرلی کہ آپ اس سورۃ کی اطلاع دینے سے قبل مسجد سے باہر نہ ہو جائیں۔ اور جب آپؐ دروازے کے قریب ہوئے تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول وہ سورۃ [تو بتائیں] جس کا آپؐ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے!

- قال : "كيف تقرأ إذا افتتحت الصلاة؟ قال : فقرأت فاتحة الكتاب ، قال : هي هي ، وهي السبع المثاني التي قال الله تعالى (ولقد آتيناك سبعا من المثاني والقرآن العظيم - الذي أوتيت

[تفسير القرآن تفسير الطبري محمد بن جرير الطبري، مسألة: الجزء السابع عشر، القول في تأويل قوله تعالى : ولقد آتيناك سبعا من المثاني والقرآن العظيم]

- آپؐ نے کہا کہ نماز کی جب ابتدا کرتے ہو تو کیا تلاوت کرتے ہو، میں نے کہا کہ میں تو سورۃ الفاتحہ کی قرأت کرتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ یہی، یہی، ارے یہی تو وہ سبع مثانی ہے جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے کہا : ولقد آتيناك سبعا من المثاني والقرآن العظيم۔ یہی وہ [سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے] جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

سُوْرَۃُ الْحِجْر کی آخری چھ آیات

سُوْرَۃُ الْحِجْر کی آخری چھ آیات چوتھے سال کے آغاز میں نازل ہوئی تھیں، جن کا نبی ﷺ نے مصحف کی توقیفی ترتیب میں سُوْرَۃُ الْحِجْر کی آخری آیات کے طور پر تعین کیا۔ تمام اصحاب سیر اور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اِن آیات کے نزول کے بعد آپ نے کوہِ صفا پر سے اہلِ مکہ کو دعوتِ توحید و آخرت کے لیے پکارا۔ اسی طرح تمام مفسرین سُوْرَۃُ الْحِجْر کو مکی زندگی کے آخری دور کی سورۃ گردانتے اور جانتے ہیں اور اس سورۃ کے انداز، طوالت اور مضامین کی بھی یہی گواہی ہے کہ اسے مکی زندگی کے آخری دور کی سورۃ گردانا جائے؛ تاہم احادیث و تفاسیر میں یہ تفصیل نہیں ملتی کہ آپ نے کب، کس کو حکم دیا کہ ان آیات کو اس جگہ درج کیا جائے۔

پہلے تین برسوں کے اختتام سے چند [اغلباً دو تین] ماہ پہلے ایک واقعہ پیش آیا کہ نبی ﷺ اپنے رفقا کے ساتھ ایک گھاٹی میں صلوٰۃ ادا فرما رہے تھے کہ مشرکین قریش کے کچھ لوگ وہاں آ نکلے اور اس نئے اندازِ عبادت کا مذاق اڑانے لگے، سیّدنا سعد بن ابی وقاصؓ جو شیلے نوجوان تھے، انھوں نے نبی ﷺ کے اِذن کے بغیر اونٹ کی ایک بڑی ہڈی جو قریب کہیں پڑی تھی، اٹھا کر مذاق اڑانے والے کے سر پر دے ماری، خون کی ایک دھار پھوٹ پڑی، جسے تاریخ نگار اللہ کی راہ میں کسی دشمنِ خدا کے جسم سے نکلنے والی 'پہلی خون کی دھار' سے یاد کرتے ہیں۔ مشرکین کا شہر اور مخالفت کی فضا...... اس واقعے کے پسِ منظر میں سنسان گھاٹیوں میں عبادت کرنا خطرے سے خالی نہ رہا، چناں چہ جنابِ ارقمؓ کے مہیا کردہ مکان پر اسلام کی تعلیم و تربیت اور عبادت کا پہلا مرکز بنایا گیا جسے تاریخ میں لازوال شہرت نصیب ہوئی اور وہ دارِ ارقم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں اس مرکز نے بڑی شہرت پائی ہے اور اسلامی تحریکات اپنے تربیتی تعلیمی ادارے نبی ﷺ کے قایم کردہ دارِ ارقم کے نام نامی پر رکھتی ہیں۔ دارِ ارقم میں مرکز کے قیام نے خاموشی سے جاری اسلامی دعوت کو ایک 'تحریک' بنا دیا، یوں تو اس دعوت کا چرچا ہر گھر میں پہلے ہی سے تھا مگر ایک مرکز کے قیام نے مکہ میں ہلچل مچا دی۔ ہلچل کیوں نہ مچتی کہ مشرکین کے ہاتھوں میں مقبوضہ، ابراہیم علیہ السلام کے مرکز، کعبۃ اللہ کے عین سامنے یہ نئی تحریک کا مرکز بنا تھا، صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان کہ حج اور عمرہ میں سعی کرنے والے اُس کے دروازے کے سامنے سے گزرتے تھے۔

دارِ ارقم میں منتقلی نے شہر کے لوگوں کی نگاہوں میں اس سارے گروہ کو آشکار کر دیا تھا، ماحول میں ایک ایسی خاموشی تھی جو سمندر میں طوفان سے قبل ہو، مگر پوری فضا شہادت دے رہی تھی کہ کچھ عجیب سی بات بس اب ہونے والی ہے اور وہ ہو گئی۔ روح الامین اللہ کا ایک اہم پیغام لے کر آپؐ کے پاس آ گئے۔ وحی کا یہ پیغام تاریخ کا رخ موڑنے والا تھا، یہ پیغام اِس شہر میں ایک ہلچل مچانے اور گھر گھر ایک فکری اور نظریاتی جنگ شروع کرانے کا اعلان تھا۔ وہ اعلان یہ تھا کہ اب اس دعوت کو خاموشی سے آگے بڑھانے کے بجائے ایک عوامی انداز میں آگے بڑھایا جائے اور اُس کا آغاز محمد ﷺ خود اپنے قبیلے کو دعوتِ عام سے کریں۔ چناں ۲۵ ویں تنزیل میں نبوت کے چوتھے سال کے آغاز میں قریبی عزیزوں کو ڈرانے کا حکم آیا۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

[سُوْرَةُ الشُّعَرَآء، آیات ۲۱۳ تا ۲۲۰]

پس اے محمدؐ، اللہ کے ساتھ کسی دُوسرے معبُود کو نہ پکارو، ورنہ تم بھی سزا پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمھاری پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ، لیکن اگر وہ تمھاری نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذّمہ ہوں اور اُس زبردست اور رحیم پر توکل کرو...... جو تمھیں اُس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اُٹھتے ہو اور سجدہ گزار لوگوں میں تمھاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ سب کچھ سُننے اور جاننے والا ہے۔ [مفہوم]

قرآن مجید میں اب بتوں کی کھلی مذمت ہے اور بہ بانگِ دہل ڈنکے کی چوٹ یہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے، اہالیانِ شہر جن معبودانِ باطل کو معبود خیال کرتے ہیں ان کی ہرگز اطاعت نہ کی جائے، بفرضِ محال اگر ایسا کیا تو اے محمد ﷺ، آپ بھی اپنے آپ کو اللہ کی پکڑ سے نہ بچا سکیں گے۔ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے عزیز رشتہ داروں کو اللہ کی نافرمانی کے انجام سے ڈرائیں اور جو لوگ بات مان لیں، اُن کے ساتھ عزت و تکریم، داد و دہش اور عفو و

در گزر سے پیش آئیں۔ اور اگر وہ تمھیں رد کر دیں، تمھاری حمایت نہ کریں تو بے پرواا ور بے نیاز ہو جاؤ تم پر اِن کے نہ ماننے اور منہ موڑنے کا کوئی وبال نہ ہو گا۔ اپنی اس مہم میں اللہ پر بھروسہ رکھو [کسی مداہنت کا خیال تک دل میں نہ لاؤ] ، اپنے حامیان کی تعداد پر بھروسہ نہ ہو صرف ایک اللہ پر ہی بھروسہ ہو جو زبردست ہے اور کائنات کے تمام معاملات حکمت کے ساتھ چلاتا ہے۔ وہ اپنے پسندیدہ دین کے لیے تمھارا محتاج نہیں بلکہ وہ تمھاری کار گزاری اور جاں نثاری کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ وہ وہی معبود ہے جو راتوں کو تمھاری آہوں اور سسکیوں کے درمیان قدر دانی کرتا ہے اور تمھیں دنیا سے بے گانہ اپنے سجدہ گزار بندوں میں گن لیا ہے، پس اس کے سوا تمھیں کیا چاہیے؟ تم نتائج کے نہ ذمے دار ہو اور نہ اُن پر قادر ہو، وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اُس کا کام اس پر چھوڑ و اپنا کام کیے جاؤ۔

ان احکامات کے ساتھ آیات کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے سارے خاندان بنو ہاشم کو بنو مطلب بن عبد مناف سمیت اپنے گھر میں کھانے پر جمع کیا۔ یہ کل پینتالیس آدمی تھے، ان میں آپؐ کے چچا ابو طالب، حمزہؓ اور عباسؓ شریک تھے۔ خاندان کے افراد کے لیے بُلائی جانے والی پہلی دعوتِ طعام میں ابو لھب کی بے جا مداخلت اور شور شرابے نے کام خراب کر دیا تھا، چناں چہ آپ ﷺ نے تمام شرکا کو دوسرے روز کھانے پر دوبارہ جمع کیا اور سب کو توحید و آخرت پر ایمان کے ساتھ دینِ اسلام میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ کی اِن آیات کی تعمیل میں کسی قریبی عزیزوں کو دعوت کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ روح الامین اللہ تعالیٰ کا ایک اور حکم سُوْرَۃُ الْحِجْر کی آخری چھے آیات ۹۴تا۹۹ لے کر تشریف لے آئے۔

واضح اعلان ہے اور پیش گوئی ہے کہ ہم اِن استہزا کرنے والوں اور مذاق اُڑانے والوں کو شکست دے دیں گے، آپ کام کیے جایئے۔ دیکھیے کہ آنے والے بیس سالوں میں [خیال رہے کہ یہ تین سال کے اختتام پر اُتر رہی ہیں ابھی کش مکش کے بیس سال باقی ہیں] کس طرح کایا پلٹی ہے، جس کا سان نہ گمان! تجدیدِ دین کا کام کرنے والوں کے لیے قرآن کا یہی پیغام ہے کہ وہ بھی شرک اور دینِ باطل کے خلاف اسی طرح اللہ پر بھروسہ کر کے کھڑے ہو جائیں، باقی کام اللہ خود کر لے گا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

پس اے نبیؐ، جس چیز [دعوت توحید] کا تمھیں حکم دیا جارہا ہے اُسے کھول کر بالوضاحت سُنا دیجیے اور مشرکوں کی پروانہ کریں، اِن سے منہ پھیر لیجیے۔ ہم اُن مذاق اُڑانے والوں سے نمٹنے کے لیے کافی ہیں، جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی اُس کا ہم سر اور شریک ٹھہراتے ہیں۔ عن قریب اُنھیں معلوم ہو جائے گا [کہ کیسی غلطی پر وہ قایم تھے]۔ ہمیں خوب علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپؐ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ پس اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح [پاکی بیان] کریں اور اُس کی جناب میں سجدہ بجالائیں۔ اور اُس آخری گھڑی تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپؐ کو موت آئے۔ [مفہوم]

موت آنے تک عبادت اور یادِ الٰہی میں مصروفیت کا حکم

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ یعنی یقینی چیز موت تک بندگی کے وہ مطالبات پورے کرتے رہو جن کا تذکرہ کیا جارہا ہے (مشرکین سے اعراض، اعلائے کلمۃ اللہ، تمسخر سے بے نیازی، تعریف، شکریہ، تسبیح، سجدہ گزاری اور ہمہ تن و ہمہ وقت اللہ کی غلامی) یا دعوتِ دین کی اس مہم میں اللہ کی نصرت کے آنے تک.......... کہ جس نصرت کا آنا بھی موت ہی کی طرح یقینی ہے.......... اُس وقت تک!

جن اہلِ تصوّف اور صوفیا نے اس آیہ مبارکہ میں یقین سے یقینی موت کے بجائے معرفت کا ایک اعلیٰ مقام مراد لیا، جہاں پہنچنے تک عبادت فرض رہتی ہے اور اس مقامِ معرفت پر پہنچنے کے بعد بندہ ذاتِ باری تعالیٰ میں حلول کر جاتا ہے اور کوئی عبادت فرض نہیں رہتی، ایسا کہنے اور عقیدہ رکھنے والوں نے اُس دین سے کھلی مخالفت اور بغاوت کی جو محمد عربی ﷺ لے کر اس دنیا میں آئے تھے۔

یہاں نبیوں اور اللہ کے تمام اولیاء کے لیے موت کا آنا ثابت ہوتا ہے، جن کی منوں مٹی کے نیچے تدفین کے بعد شرک کے رسیا اُن کو حیؔ و قیوم اور دعاؤں کا سننے والا بنا لیتے ہیں!

نبی ﷺ کو اس آیہ مبارکہ کے تناظر میں اگلے ہی سال اپنے چچا سے یہ کہتے ہوئے سُنیے کہ اللہ کی قسم! اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج رکھ دیں تب بھی میں اپنے مشن سے باز نہ آؤں گا اور میں یہ کام کرتا رہوں گا، تاآں کہ میں کام یاب ہو جاؤں یا اس مقصد کی خاطر اپنی جان دے دوں!

اِن آیات پر مزید تفصیلی گفتگو سے پہلے دو امور کا ادراک ضروری ہے۔

- اوّلاً یہ کہ جسے بھی نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ اور آپ کے مشن کے مطالعہ سے دل چسپی ہے وہ اس امر سے واقف ہے کہ نبوت کے چوتھے سال کے آغاز نے آپؐ کی جد وجہد کی تاریخ کو ایک نیا رُخ دیا، یہی وجہ ہے کہ سارے مؤرخین اور سیرت نگاران آیات کے نزول کے بعد سے آپؐ کی زندگی کو ایک نئے دور میں داخل ہوتے ہوئے دیکھتے اور بیان کرتے ہیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اِن آیات کو نبی اکرم ﷺ کے احوالِ زندگی کے بیان میں کتنی اہمیت حاصل ہے۔ پورا قرآن ہی آپ ﷺ کی سیرت کی داستان ہے، تمام آیات اپنے نزول کے اوقات کی حکمتِ عملی [strategies] کو بیان کرتی ہیں اور اُس وقت کے حالات و کش مکش پر ایک مستند تاریخی گواہی ہیں۔ جب قل کہہ کر آپؐ سے کچھ کہلوایا جاتا ہے تو وہ آپؐ کا تاریخی بیان ہوتا ہے جو اُس موقع پر جاری کیا گیا، جب اہلِ ایمان کو یا منکرین کو خطاب کیا جاتا ہے تو اُن کی ضروریات اور اُن کے خیالات و مزعومات کا پتا چلتا ہے اور جب واقعات پر تبصرہ ہوتا ہے تو وہ خالص اُس دور کی تاریخ کی تدوین ہے۔ جب دیگر انبیاء اور قوموں کے تذکرے ہوتے ہیں تو وہ بھی اُس خاص دور میں جاری کش مکش کے دوران ویسی ہی صورتِ حال میں دیگر انبیاء اور قوموں کے طرزِ عمل کے ہو بہو عکاس mirror image ہوتے ہیں اور آج کے دور میں ہمارے لیے دورِ نبوت ﷺ کی تاریخ ہوتے ہیں................ یوں پورا قرآن سیرت النبیؐ کی شکل اختیار کر لیتا ہے، خاص طور پر جب اُس پر اُس کی نزولی ترتیب کے لحاظ سے نگاہ ڈالی جائے۔
- ثانیاً یہ کہ اِن آیات نے متعین کیا کہ در حقیقت آپؐ کا مشن اور آپؐ کی دعوت کیا تھی، جتنی جہتوں میں

بات پھیلتی رہی وہ اقامتِ صلوۃ ہو یا اقامتِ زکوٰۃ ، اقامتِ دین ہو یا امن و امان کا قیام ہو یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر وغیرہ وغیرہ، ساری چیزیں ثانوی ہیں، اصل چیز ایک ہی ہے، جو سارے نبیوں کی دعوت تھی کہ یَا قَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ آپ کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ وَأَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ یعنی توحید کا برملا اعلان کرو خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

عرب میں قاعدہ تھا کہ جب صبح تڑکے کسی اچانک حملے کا خطرہ ہوتا تو جس شخص کو بھی اس کا پتا چل جاتا وہ کسی اونچی جگہ چڑھ کر 'یا صباحاہ' پکارنا شروع کر دیتا اور لوگ اس کی آواز سنتے ہی ہر طرف سے دوڑ پڑتے۔ چناں چہ نبی ﷺ نے اسی طریقے کے مطابق اس حکم (فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ) کی تعمیل کی کہ صبح سویرے صفا کے سب سے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر پکارا: یا صباحاہ، یا صباحاہ !! (لوگو صبح کی پکار سنو، لوگو صبح کی پکار سنو یا پھر ہائے صبح کا خطرہ، ہائے صبح کا خطرہ!!)

آپ ﷺ کی آواز پر سب لوگ گھروں سے نکل آئے، اور جو خود نہ آ سکا اس نے اپنی طرف سے کسی کو خبر لانے کے لیے بھیج دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو نبی ﷺ نے خطاب فرمایا :

اچھا تو میں ایک سخت عذاب سے پہلے تمھیں خبردار کر رہا ہوں، ایسا کرنے کے لیے اللہ کی جانب سے مامور ہوں۔ میری اور تمھاری مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص نے دشمن کو دیکھ لیا پھر اس نے کسی اونچی جگہ چڑھ کر اپنے خاندان والوں پر نظر ڈالی تو اسے خوف ہوا کہ دشمن اُس سے پہلے پہنچ جائے گا، لہٰذا اس نے وہیں سے پکار لگانی شروع کر دی یا صباحاہ! ہائے خطرناک صبح!" اس گفتگو کے بعد آپ ﷺ نے مختلف قبیلوں کو نام بنام پکار کر اسلام کی دعوت دی:

اے قریش کے لوگو! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی کعب بن لؤیّ! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی مرّہ! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے آل قُصَیّ! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی عبد مَناف! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی عبد شمس! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے آل عبد المطلب! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ!!

لوگو! اگر میں تمھیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات سچ مانو گے؟ سب نے کہا ہاں، ہمارے تجربے میں تم کبھی جھوٹ بولنے والے نہیں رہے ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا، " اچھا تو میں اللہ کا سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا

ہوں۔اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو۔ میں اللہ کے مقابلے میں تمھارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ قیامت کے دن میرے رشتہ دار صرف متقی ہوں گے۔ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ نیک اعمال لے کر آئیں اور تم لوگ دنیا کا وبال سر پر اٹھائے ہوئے آؤ۔اس وقت تم پکارو گے یا محمدؐ، مگر میں مجبور ہوں گا کہ تمھاری طرف سے منہ پھیر لوں۔البتہ دنیا میں میرا اور تمھارا خون کا رشتہ ہے اور یہاں میں تمھارے ساتھ ہر طرح کی صلہ رحمی کروں گا۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریبی اعزہ و اقربا کو وضاحت سے بتا دیا کہ اب مجھے اللہ کا فرستادہ تسلیم کرنے پر ہی تعلقات منحصر ہیں۔ جس نسلی اور قبائلی بنیادوں پر مکہ کا نظامِ زندگی اور تمدن چل رہا ہے وہ اللہ کے دین کی اطاعت یا عداوت کی بنیاد پر اب نئے سرے سے ترتیب پائے گا۔

جب یہ پہاڑی کا وعظ ختم ہوُا اور لوگ اسے سن کر خاموشی سے اپنے گھروں کو واپس جانے لگے تو ابولھب چیخ پکار کرنے لگا: غارت ہو جاؤ آج ہی کے دن، کیا یہی بات تھی جس کے لیے تو نے ہم سب کو یہاں جمع کیا تھا؟

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مشرکین کو اعلانیہ عوامی مقامات پر اور ان کی محفلوں میں دعوت دینی شروع کر دی۔ آپؐ لوگوں کے سامنے تلاوت قرآن فرماتے اور وہی ایک بات کہتے جو آپؐ سے پہلے تمام پیغمبر اپنی قوموں کے سامنے کہتے چلے آئے تھے کہ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ [الاعراف: ۷۳] "اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔" تمام انبیاء کی دعوت کا نقطہ آغاز انسانوں کو تمام معبودانِ باطل سے بے زار اور منقطع کر کے ایک اللہ کی بندگی میں داخل کرنا ہوتا ہے، تمام قوموں میں اصلاح کے بعد جب بھی بگاڑ آتا ہے اسی نقطہ دعوت سے انحراف کے نتیجے میں آتا ہے اور تاویلات کے ذریعے شرک فکر و نظر اور تمدن میں جگہ پا جاتا ہے، اسی لیے تجدیدِ دین کا کام کرنے والے تمام لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے کام کا آغاز اسی نقطہ سے کریں۔ جب بھی بگاڑ کے اس منبع کو چھوڑ کر دوسرے مفاسد کی اصلاح کرنے کی کوشش کی گئی ہے بگاڑ میں سوائے اضافے کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ سید قطبؒ نے اپنی تصنیف 'معالم فی الطریق' میں اس موضوع پر بہت عمدہ بحث کی ہے۔ شرک کے استیصال کو نظر انداز کر کے بہت ساری اصلاحی انقلابی

تحریکات مسلم معاشروں میں مزید خرابی کا باعث بن جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

اللہ اور بندے کے درمیان القرآن العظیم کی تقسیم

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: میں نے نماز [میں سورہ فاتحہ کی تلاوت] کو اپنے اور بندے کے درمیان برابر، برابر تقسیم کیا ہے، اور میرے بندے کے لیے وہ سب کچھ ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے، چناں چہ جب بندہ کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد [تعریف ور شکریے] کو ادا کیا، پھر جب بندہ کہتا ہے کہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا بیان کی اور جب بندہ کہتا ہے مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری عظمت کو بیان کیا۔ اور جب بندہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہتا ہے تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ یہ [جملہ] میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے، اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو یہ مانگے گا پھر جب بندہ کے منہ سے یہ ادا ہوتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ تو اللہ تعالی فرماتا ہے: یہ میرے بندے کا حصہ ہے [تمنا] ہے، اور میرے بندے کو وہ سب کچھ ملے گا جو اس نے چاہا ہے [مفہومِ حدیث مسلم: ۳۹۵]